eISSN: 2791-0342
pISSN:2791-0334

''غالب کا ذوقِ الٰہیات'' کا تنقیدی جائزہ

A CRITICAL REVIEW OF "GHALIB'S ZAUQ-E-ILLAHIYAT"

Dr. Khalil Anjam
Nankana Sahib (Punjab)

ڈاکٹر خلیل انجم
ننکانہ صاحب (پنجاب)

ABSTRACT

"Theology is a set of religious beliefs and the study of the nature of God. Generally, literature has deep relation to theology. In Ghalib's poetry there are many aspects that show theological interest. Syed Mashkoor Hussain Yad, a well-known exponent of Ghalib's poetry, has collected all the characteristics to be considered as theological from poetry and displayed in his commentary "Ghalib's Zouq-e-Illahiyat". In this article a comparison and critical study of the commentary "Ghalib's Zouq-e-Illahiyat" is given."

KEYWORDS

Ghalib, Theology, Religious beliefs, Commentary, Comparison, Critical study

الٰہیات عربی زبان کا لفظ ہے جو دو الفاظ ''الٰہ'' اور ''یات'' سے مرکب ہے۔الٰہ کے معنی معبود اور یات سے مراد علم ہے۔اس طرح الٰہیات سے مراد ایسا علم ہے جس میں ذات خداوندی کا مطالعہ کسی نہ کسی مذہبی تناظر میں کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اسے علم الٰہی بھی کہتے ہیں ۔انگریزی زبان میں اس کے لیے ''Theology'' کا لفظ ہے۔ مختلف مذاہب میں خداشناسی اور اس سے تعلق کی بنیاد عقائد ہیں اور انھی عقائد کی روشنی میں مخلوق اپنے خالق و معبود سے مضبوط اور مستحکم ناطہ استوار کر سکتی ہے۔اس ذات سے تعلق کا مقصد اس کی رضا اور غبت کا حصول ہے جسے دنیا و آخرت کی کامیابی تصور کیا جاتا ہے۔انسان کا چونکہ خالق حقیقی سے بن دیکھا تعلق ہے اور اس کے باوجود اُس حقیقت کو سرخم تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔اس طرح ایمان کی نوعیت روحانی ہے، یہ تعلق جتنا گہرا ہو گا انسان باطنی لحاظ سے اسی قدر مطمئن ہو گا بلکہ یہ اس کے وجدانی کیف و سرور اور تسکینِ قلب کا موًجب ہو گا۔اردو ادب میں ذات خداوندی کا گہرا شعور ادراک ملتا ہے۔خداشناسی اور اس سے گہری وابستگی کی ایک مستقل روایت موجود ہے جو تصوف کے نام سے موسوم ہے۔ارشد محمود لکھتے ہیں:

> ''خدا کو پانے اور اس کائنات کے ساتھ اس کے رشتے کو سمجھنے کے لیے انسانی شعور ایک اور موڑ پر پہنچا، جسے تصوف کہتے ہیں۔ یہ انسانی شعور کی بڑی ہی لطیف (Subtle) داخلی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان

ایک ایسے روحانی اور وجدانی تجربے سے گزرتا ہے، جس میں ساری کائنات اپنے مادی اور روحانی معنوں میں ایک ایسے وجد انگیز نقطے پر سمٹ آتی ہے کہ اس میں اشیاء کی انفرادی حیثیت کے کوئی معنی نہیں رہتے اور صوفی لامحدودیت (Infinity) کے بحرِ بیکراں کے بہاؤ میں خود کو گم کر دیتے ہیں جس میں 'میں' رہتی ہے نہ 'تو' صوفی کی فکر و نظر پوری کائنات کو محیط کر لیتی ہے۔(۱)

بلاشبہ ازل ہی سے انسان صفات الٰہی کے باوصف اس ذات سے وابستگی کا خواہاں ہے۔ذوق الٰہیات مرزا غالب کے کلام کی روح میں رچا بسا ہے۔مشکور حسین یاد نے ان کے شعور وادراک سے وابستہ ذوق الٰہیات کی پرتوں کا بخوبی کھوج لگایا اور زندگی کے مختلف شعبہ ہائے جات کے وسیع تناظر میں الٰہیات سے ربط کی تلاش و جستجو کی۔اس ضمن میں مشکور حسین یاد کی تصنیف ''غالب کا ذوق الٰہیات'' ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔یہ تصنیف ۲۸ عنوانات پر مشتمل ہے جس میں غالب کے (۴۷) منتخب اشعار کی تعبیر و تفہیم ان کے ذوق الٰہیات کے تناظر میں کی گئی ہے۔

غالب کے ذوق الٰہیات سے مراد اس کی خدا میں دلچسپی ہے۔یعنی غالب اپنے کلام کے توسط خدا سے کس نوعیت کا تعلق جوڑتا ہے یا جوڑنے کا خواہاں ہے اور اس کی حاکمیت کو کس انداز سے قبول کرتا ہے۔مشکور حسین یاد اس ضمن میں یوں رقم طراز ہیں:

''غالب کے ذوق الٰہیات سے میری مراد یہ ہے کہ غالب بہ حیثیت شاعر حقیقت عظمیٰ کے ساتھ کس طرح کا تعلق قائم رکھتا ہے اور کس طرح وہ اس تعلق کو روزمرہ کی زندگی میں استعمال کرتا ہے۔''(۲)

مذاہب عالم میں ہر مذہب کا اپنا تصور الٰہیات ہے اور اسی کی روشنی میں ان کے دیگر عقائد ترتیب پاتے ہیں۔اگر دیکھا جائے تو تصور الٰہیات وہ بنیادی تصور ہے جس نے دنیا کو مذاہب میں تقسیم کیا ہوا ہے۔اس طرح بحیثیت مسلم، مرزا غالب کے ذوق الٰہیات سے مراد الٰہیات اسلامیہ ہے۔اسلام کا تصور الٰہیات کیا ہے؟ اس ضمن میں حافظ مبشر حسین لکھتے ہیں:

''اسلام نے الٰہ اور معبود کا جو تصور پیش کیا ہے اسے جاننے کا واحد ذریعہ وحی الٰہی ہے جو قرآن و حدیث کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔قرآن و حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ الٰہ وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہو مخلوق نہ ہو، قادرِ مطلق ہو محتاج نہ ہو، غنی ہو فقیر نہ ہو مالکُ الملک ہو غلام نہ ہو، مختارِ کل ہو بے بس نہ ہو، ساری کائنات اس کے قبضہ میں ہو اور کوئی چیز اس کے تصرف سے باہر نہ ہو۔ہر خوبی اس میں موجود ہو اور اس میں کوئی عیب نہ ہو۔یکتا، تنہا اور اکیلا ہو، اس کے خلق، امر، علم، تصرف، قدرت، افعال اور صفات میں نہ کوئی اس کا شریک ہو اور نہ معاون، بلکہ وہ اپنے افعال و صفات میں کسی شریک کی شراکت اور معاون کی معاونت کا محتاج نہ ہو۔۔۔''(۳)

اشعار غالب میں موضوعات کا تنوع ہے اور تعبیر کے وسیع تر امکانات موجود ہیں۔اس طرح کلام غالب کی فکری جہتیں ان کے ذوق الٰہیات کو مختلف انداز سے نمایاں کرتی ہیں۔ مشکور حسین یاد کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف کلام غالب سے ذوق الٰہیات کے منتشر عناصر کو یکجا کیا بلکہ ان کے تفصیل طلب نکات کو پوری طرح عیاں کر دیا۔ جیسے انھوں نے غالب کے ہاں پائی جانے والی کفر و ایمان کی کشمکش کو خوب اجاگر کیا اور ذوق الٰہیات کے تناظر میں غالب کی حریت فکر اور آزاد خیالی کو احسن طریقے سے پیش کیا۔اس ضمن میں انھوں نے غالب کا درج ذیل شعر منتخب کیا:

ایماں مجھ کو روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے (۴)

بیشتر شارحین نے اس کشمکش کو پوری طرح واضح نہیں کیا۔ فرمان فتح پوری شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عجیب کشمکش میں مبتلا ہوں۔ ایک طرف کعبہ مجھے اپنی طرف کھینچتا ہے دوسری طرف کلیسا۔ یعنی کفر وایمان کے درمیان جو کشمکش جاری ہے اسی کشمکش میں میرے دل دماغ بھی گرفتار ہیں۔''(۵)

مولانا عبدالحکیم خاں، بشیر بٹ اور خلیل بجنوری کے علاوہ کئی شارحین نے اختصار کا مظاہرہ کیا اور درج بالا مطالب سے آگے نہیں بڑھے، حالانکہ روکنے اور کھینچنے کے کچھ اسباب ہیں ان سے پردہ اٹھائے بغیر تشریح کے مقاصد حاصل نہیں ہوتے۔ عموماً شارحین نے ایسے اشعار کو عام فہم خیال کرتے ہوئے محض نثر پر اکتفا کیا۔ تاہم مشکور حسین شعر میں موجود کشمکش کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ مصرع اولیٰ کے مطابق ایمان کے روکنے کے فعل میں جو ایک اعتماد، یقین اور تمکنت کے ساتھ ہمدردی اور فلاح و بہبود چاہنے کی صورت موجود ہے، وہ کفر کے کھینچنے کے فعل میں ہرگز نہیں۔ یہ فعل واضح کر رہا ہے کہ اسے نہ اپنے پر اعتماد ہے نہ اس پر جسے کھینچا جا رہا ہے۔ یعنی یہاں خود اعتمادی کی بجائے بے اعتمادی ہے اور اس کی توانائی میں غور فکر کی تشفی آمیز کیفیت قطعی طور پر نہیں پائی جاتی جبکہ اس کیفیت کا اظہار روکنے کے عمل میں پوری طرح موجود ہے۔ ایمان کے روکنے کے عمل میں کسی قسم کی کشمکش نہیں پائی جاتی، تاہم کفر کے ہاں کشمکش کی صورت بھی ہے اور یہ اندیشہ بھی کہ کہیں شکار ہاتھ سے نکلنہ جائے۔اس طرح موصوف نے اس کشمکش کو نمایاں کرنے کی بھرپور سعی کی ہے۔

عموماً ممنوعات کی جانب راغب ہونا فطرت انسانی ہے۔ یہ انسان کے خمیر میں شامل ہے کہ جہاں سے روکا جائے وہ چیز اسے مزید پرکشش دکھائی دیتی ہے۔ تاہم مشکور حسین یہ سمجھتے ہیں کہ کفر کے کھینچنے میں دلکشی سمجھ لینا سراسر غلط فہمی ہے۔

علاوہ ازیں مشکور حسین کے عنوانات ''حریت فکر اور الٰہیات، گناہ و ثواب کی نزاکتیں، الٰہیات کی چار صورتیں'' میں منتخب اشعار پر انھوں نے پر مغز بحث کی اور اپنے انتخاب موضوع کو انتہائی وقیع انداز میں پیش کیا۔ ''بیگانگی خلق'' میں انھوں نے غالب کے اس نظریے کو واضح کیا

کہ تنہائی کا شکار فرد ربطِ الٰہی کے ذریعے اطمینانِ قلب حاصل کر سکتا ہے۔ ''بھلائی کے نرغے میں'' کے ذریعے ہمدردی و خیر خواہی کی بابت ذوق الٰہیات کے مختلف پہلوؤں کو وا کیا۔ ''اصل ایمان'' کے مطابق کسی کی رضا میں اپنی زندگی سپرد کر دینا ہے۔ جیسے غالب نے کہا: ''وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے'' اس طرح 'انقلابی تصور ایثار' میں غالب کے ذوق الٰہیات سے بھرپور شعر: ''جان دی، دی ہوئی اس کی تھی'' میں بلند حوصلگی کی تفسیر و تشریح کی۔

مشکور حسین یاد نے اس موضوعاتی شرح میں شارحین کے بیان کردہ غلط مطالب کو بھی اجاگر کیا۔ عموماً شارحین نے متقدمین کی معنی خیزی کو ترجیح دی اور خود غور و خوض سے کام نہیں لیا۔ درج ذیل شعر کے ضمن میں موصوف یوں گویا ہیں:

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں

حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

> ''غالب کے ذوق الہیات کا اپنی جگہ پورا پورا ثبوت فراہم کر رہا ہے۔ لیکن ہم اپنے شارحین کو کہاں لے کر جائیں کہ سب سے پہلے تو خواجہ حالی صاحب نے غالب کے پر خلوص اظہار عقیدت اور معنی آفرین نزاکت تقدس کا ستیاناس یہ کہہ کر دیا کہ ادھر سفر حج کا اشتیاق اور ادھر ثواب حج کی یہ بے قدری۔ پھر اس کے بعد اس شعر کی تفہیم میں شارحین قریب قریب مولانا حالی کی مکھی پر مکھی مارتے رہے۔''(۲)

موصوف کی یہ بات درست ہے کہ شارحین نے درج بالا شعر کی شرح میں حالی کا تتبع کیا اور غالب کے اشتیاق حج تک رسائی نہ کر سکے ۔ کیونکہ غالب کا مقصد ایسی عبادت ہے جو بے لاگ ہو۔ وہ اس مقدس جگہ کا اس قدر شائق ہے کہ اسے ثواب سے غرض نہ رہی لہٰذا اسے بے قدری نہیں کہا جا سکتا۔ اس طرح انھوں نے بعض مقامات پر طباطبائی، مولانا حالی اور غلام رسول مہر کی شرحوں سے اختلاف کیا۔

بعض اوقات مشکور حسین یاد نے اشعار غالب میں جس انداز سے ذوق الٰہیات کی جستجو کی ہے اس میں الجھاؤ کی کیفیت ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے الٰہیات کے ضمن میں وہ شعر غالب کو احاطہ تعبیر میں نہ لا سکے۔ اس طرح موصوف نے اشعار غالب کی بعض ایسی تعبیرات پیش کی ہیں جن سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ غالب کے درج ذیل شعر میں موصوف کے معروضات ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں:

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج

اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

''شعر زیر بحث میں غالب نے اپنے ذوق الہیات کا ایک بہت ہی ارفع و اعلیٰ جمال افروز ثبوت دیا ہے اور بتایا ہے کہ کس یکتائی اور زیبائی کے ساتھ موسم بدلتے ہیں۔ اور ان کا یہ بدلنا آندھی اور طوفان کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس نہایت نرمی ملائمیت اور نزاکت کے ساتھ لیکن بتدریج۔''(۷)

درج بالا اقتباس کے مطابق مشکور حسین یاد نے جمال افروز، یکتائی، زیبائی، نرمی ملائمت اور نزاکت جیسے الفاظ استعمال کرتے ہوئے شعر فہمی کا تعلق الہیات سے جوڑا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ چونکہ انھوں نے واضح یا ٹھوس شواہد نہیں دیے جن سے پتا چلے کہ یہاں غالب نے خداشناسی کی ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ موسم کی تبدیلی اور اس نظام کی بابت بات کرتے جس کے تحت موسم تبدیل ہوتے ہیں تو پھر بھی ربط الٰہی استوار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن محض چند الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے اپنی مرضی و منشا کے مطالب اخذ کرنا درست رویہ نہیں ہے۔ اس طرح جو معیارات مشکور حسین یاد نے ترتیب دیے ہیں اس سے تو غالب کے پورے دیوان سے علم الٰہی نکالا جا سکتا ہے اور موصوف کا خیال بھی یہی ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

''غالب کے اردو دیوان میں شاید ہی ایسی غزل نظر آئے جس میں غالب کے شعور یا لاشعور میں اللہ کا ذکر موجود نہ ہو۔(۸)

ان کی یہ بات درست ہو سکتی ہے، تاہم عملی طور پر انھوں نے جس انداز سے غالب کے بعض اشعار میں اللہ کے ذکر کی نشان دہی کی ہے اس سے احساس تشنگی جنم لیتا ہے۔ غالب کا ایک اور شعر جس میں غالب بطور ناصح نرم گفتاری کی تلقین کر رہے ہیں لیکن مشکور حسین نے بات کی سختی و تندی کا سبب ذات خداوندی سے تعلق بتایا ہے۔ غالب کے درج ذیل شعر کی تفہیم موصوف کے الفاظ میں ملاحظہ کریں:

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

''اس شعر میں غالب نے اپنے ذوق الہیات کے ضمن میں ایک بہت عمدہ اور نازک سماجی شعور کا ثبوت دیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جس شخص کو الہیات سے خاص شغف ہوتا ہے اس کی باتوں میں اس کے خلوص کی وجہ سے ایک خاص قسم کی گرمی یعنی تیزی آجانا ضروری ہے۔''(۹)

یقیناً بات میں تلخ مزاجی ایک عمدہ رویہ نہیں ہے اور نہ ہی کسی ایسے مزاج کی تعمیر میں ربط الٰہی کار فرما ہے جس سے لوگوں کو شکوہ ہو۔ بعض شارحین نے تو اس گرمی کلام کو بد زبانی بھی قرار دیا ہے۔ جیسے حمید اللہ ہاشمی لکھتے ہیں کہ:

''کلام میں گرمی اور شوخی بے شک ہو لیکن اتنی نہ ہو کہ جس کسی سے بات کی جائے وہی بد زبانی کی شکایت

کرتا پھرے"(۱۰)

ذات الٰہی سے تعلق کا یہ معیار ہر گز نہیں ہے کہ اس سے انسان میں سختی پیدا ہو جائے۔ حالانکہ اس کے برعکس یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ جسے الٰہیات سے شغف ہوتا اس کا اخلاق مثالی ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی ناروا رویہ کو ذات الٰہی کے ربط سے منسلک کرنا غلط تعبیر ہو گی۔

اس موضوعاتی شرح میں مشکور حسین یاد نے بعض مقامات پر شارحین سے اختلاف کرتے ہوئے الفاظ شعر کی ایک خاص حد سے زیادہ معنی اخذ کرنے کی سعی کی ہے جس سے تفہیمی صورت حال گھمبیر تا اور پیچیدگی سے دوچار ہوئی۔ غالب کے درج ذیل شعر کی تعبیرات میں انھوں نے شارحین سے منفرد راہ اختیار کی نئے معنی کا انکشاف کیا ہے۔

طاعت میں تا رہے نہ مے وانگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو(۱۱)

موصوف بہشت و دوزخ کی تشریح و تفہیم ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "لوگ آسانی کے ساتھ بہشت اور دوزخ کے عام جامد و ساکن تصور سے کس طرح نجات حاصل کر سکتے ہیں اس کے لیے صرف مجھے (یعنی غالب کو) ایک ہی تدبیر سمجھ میں آئی ہے کہ دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو گناہگاروں کی کثرت اور زیادتی کی وجہ سے ہم مانتے ہیں کہ دوزخ کا رقبہ زیادہ ہو گا اس میں بہشت کو آسانی سے ڈالا جا سکتا ہے لیکن رقبہ کے اعتبار سے بہشت ہزار چھوٹی ہو رحمت الٰہی کی بے کرانی کے باعث یہ اپنی طاقت اور اثر میں دوزخ سے بہت بڑی چیز ہے اس لیے جیسے ہی بہشت کو دوزخ میں ڈالیں گے بہشت ہی نہیں دوزخ کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ یعنی بہشت کی ٹھنڈک سے دوزخ بجھ جائے گی۔ اور پھر اسی طرح لوگوں کے ذہنوں میں ایک نئی بہشت اور ایک نئے دوزخ کا تصور ابھرے گا۔"(۱۲)

مشکور حسین محض شارحین سے اختلاف کے باعث بہشت و دوزخ کی معنی خیزی میں الجھ کر رہ گئے اور مصرع اولیٰ پر توجہ نہیں دی۔ غالب کا مقصد دوزخ کی آگ بجھانا نہیں ہے بلکہ وہ تو جنت کے خاتمے کی بات کر رہا ہے۔ شعر غالب کے عمیق مطالعے سے غالب کا ایک عمومی رویہ سامنے آتا ہے کہ وہ عبادت میں اخلاص کے قائل ہیں اور شارحین غالب کے ہاں شعر کے انھی معنی پر اتفاق ہے۔ ضامن کنتوری شعر کی معنی آفرینی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "طعنہ ہے زہاد پر کہ یہ لوگ شراب و شہد کے لالچ میں عبادت کرتے ہیں۔ کاش شراب و شہد کی جو نہریں بہشت میں ہیں، بلکہ خود بہشت دوزخ میں منتقل کر دی جائے کہ عبادت محض قربتہً للہ رہ جائے۔"(۱۳)

غالب ایسے عمل کے خواہاں ہیں جو حرص و طمع سے مبرا ہو یعنی انھیں طاعت میں لاگ برداشت نہیں۔اسی لیے وہ جنت تک کے خاتمے کی بات کرتا ہے۔مشکور کو یہ بات مدِ نظر رکھنی چاہیے تھی۔شعر کے مطابق وہ دوزخ کے خاتمے کی ہر گز بات نہیں کرتا۔اس کے علاوہ موصوف نے بڑی عجیب سی بات کی ہے کہ جنت اور دوزخ کے خاتمے کے بعد پھر ایک نئی بہشت اور دوزخ کا تصور ابھرے گا، غالب نے ہر گز ایسی بات نہیں کی۔

اپنی اس تصنیف میں مشکور حسین نے سیکس اور الٰہیات کے تعلق کی نشاندھی بھی کی۔موصوف کا شکوہ ہے کہ انسان نے جنسSex کا احترام کرنا نہیں سیکھا اور وہ اسے محض لہو و لعب کی چیز سے بڑھ کر کوئی رتبہ دینے کو تیار نہیں۔اسی تناظر میں انھوں نے غالب کے درج ذیل شعر کا انتخاب کیا ہے:

نینداس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلف جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

''جس طرح ذوق الٰہیات کا وقت کے ساتھ ساتھ ارتقاء پذیر ہونا ایک فطری سی بات ہے اسی طرح جدیدیت یعنی نوجوان ذہن کا جنس اور Sex کے بارے میں نئے انداز کے ساتھ برتاؤ کرنا بھی ایک فطری امر ہے۔سچ پوچھئے تو جدیدیت اور Sex ذوق الٰہیات کے ظل عاطفت ہی میں صحیح معنوں میں پروان چڑھ سکتا ہیں۔''(۱۴)

موصوف کی یہ بات بالکل درست ہے کہ Sex الٰہیات کے سایہ عاطفت میں ہی پروان چڑھتا ہے۔تاہم انھوں نے یہ واضح نہیں کیا کہ مذہب اس کی کب اور کس سے اجازت دیتا ہے اور اس کی حدود کار کیا ہیں۔موصوف کے ذہن میں صرف وہ جنسی عمل ہے جو زوجین کے مابین ہوتا ہے جو کہ جائز ہے مگر اسی عمل کا دوسرا رخ، یعنی کسی غیر منکوحہ سے جنسی عمل کرنا، حرام ہے جسے زنا اور بدکاری کہا جاتا ہے۔اور اس کے متعلق واضح ہے کہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکو۔موصوف نے ایسے Sex کی وضاحت نہیں کی اور محض Sex کو جائز قرار دینے پر تلے رہے۔

اب زیر بحث شعر کے حوالے سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کی تفہیم میں جنسی عمل تک نہیں جانا چاہیے۔بات محض وصل کی ہے اور غالب کے تخیل نے کیفیت وصل کی تصویر کھینچی ہے کہ محبوب کی زلفیں جس کے بازہ پر کھلی پڑی ہیں وہ گویا خوش قسمت ہے۔تاہم اگر اسے وصال تک لے جایا جائے تو یہ دیکھنا ہو گا کہ مشکور حسین کی تعبیر جو انھوں نے ذوق الٰہیات کے تناظر میں کی وہ کہاں فعال کرتی ہے۔

اس ضمن میں عرض یہ ہے کہ عموماً شعرا بطور عشاق اپنی محبوباؤں سے ہجر و تنہائی کی پر شکوہ کیفیات کا اظہار کرتے ہیں اور شاید کسی نے ایسی بات اپنی بیوی کے لیے نہیں کی ہو گی کہ جسے تیرا وصال نصیب ہو وہ بڑا خوش بخت ہے۔ظاہر ہے کہ 'جس' سے مراد شاعر بذات خود نہیں

ہے اور نہ ہی وہ پریشان زلفوں والی اس کی منکوحہ۔اس کے علاوہ 'تیری زلف جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں' بھی غور طلب ہے۔ذات خداوندی نے جنسی عمل میں اتنی آزادی نہیں دی کہ خواہ یہ عمل کسی سے بھی ہو اسے ظلِ عاطفت نصیب ہو گی۔ایسی آزادی صرف زوجین کو دی گئی ہے تاہم اگر شاعر کی محبوبہ اپنے خاوند کے لیے ہی سامانِ لطف بنی ہوئی ہے تو پھر غالب کہاں ٹھہرا؟ کیا اس کا احساسِ خدا اسے کسی دوسرے کی منکوحہ سے متعلق ایسی بات کرنے کی اجازت دیتا ہے۔قطعاً نہیں، لہٰذا اس شعر سے ذوقِ الٰہیات کے پہلو نکالنا ممکن نہیں۔اس سے بہتر تھا کہ خواہ مخواہ اشعار غالب پر وہ جہتیں نہ ٹھونسی جاتیں جو شعر کہتے وقت خود غالب کے شعور ولاشعور میں نہ تھیں۔علاوہ ازیں یہ شعر اس غزل کا بہترین شعر ہے اور اس کی تائید مولانا نظم طباطبائی نے بھی کی۔

مرزا غالب کا ایک اور شعر جو مولانا سجاد رضوی نے مصنف کے سامنے رکھا تا کہ وہ اس میں ذوق الٰہیات کا کوئی پرتو نکال کر دے۔شعر یوں ہے:

اس کے لب کا مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو ہاں
شوق فضول و جرات رندانہ چاہیے (۱۵)

ابتدائی دو صفحات کی بحث میں مشکور حسین یاد لفظ 'فضول' اور 'رند' کے معنی ومفاہیم سے ذوق الٰہیات کا پہلو اخذ کرنے کی سعی کرتے ہیں تاہم اس کے بعد وہ حتمی نتیجے پر پہنچے کہ غالب اپنے کسی دوست کی رہنمائی کر رہے ہیں کہ پریشان نہیں ہونا، تمھیں معشوق کے لب کا بوسہ ضرور مل جائے گا۔بس شوق فضول سے کام لو اور نہ صرف اس کے پیچھے پڑے رہو بلکہ ہمت اور جرات کا مظاہرہ کرو کامیابی ضرور ملے گی۔اس طرح لب سے مراد کوئی بھی حدف ہو سکتا ہے یا پھر دوشیزہ کے لب کا بوسہ ہی۔مولانا سجاد رضوی نے اس پر استفسار کیا کہ عام دوشیزہ کا بوسہ! تو موصوف نے کہا جی ہاں۔مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''یہی تو میں کہہ رہا ہوں اور میں کیا غالب کہہ رہا ہے کہ Sex کو آپ نے محض تکلف اور نادانی میں بری چیز کیوں سمجھ لیا جب کہ آپ کے دل میں دوشیزہ کے لب کے بوسے کے تصور ہی سے لڈو پھوٹ رہے ہیں۔''(۱۶)

اس پر مولانا سجاد رضوی نے سوال کیا کہ اس کا مطلب ہے کہ تم اور تمھارا غالب Sex کو پاک اور پاکیزہ بنانے پر ڈٹ گئے ہو۔مشکور حسین یوں جواب دیتے ہیں:

> ''جناب مولانا سیکس کو ہم کیا پاکیزہ بنائیں گے یہ تو خود اللہ تعالیٰ نے اسے اعزاز بخش رکھا ہے۔۔۔کہ جب میاں بیوی تخلیقی عمل کے لیے ایک دوسرے کے قریب آئیں تو اللہ کا نام لیں یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کہہ کر اس کیف آور تخلیقی عمل کا آغاز کریں۔اس کے بعد کسی کے لبوں کا بوسہ لینے کا عمل تو زوجین کے
تخلیقی عمل سے کہیں زیادہ معصوم اور لطیف و دل ربا ہے۔''(۱۷)

اب یہاں پہلا اہم نقطہ یہ ہے کہ غالب نہیں کہہ رہا کہ سیکس کو نادانی میں بری چیز کیوں سمجھ لیا گیا۔لہٰذا مشکور حسین کو انھیں مورد الزام نہیں ٹھہرانا چاہیے تھا۔دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے صرف زوجین کو اس آزادی کا حق دیا ہے۔اس طرح شعر کے تناظر میں مشکور حسین کو چاہیے تھا کہ وہ اس بات پر توجہ دیتے کہ جب آپ کا الٰہ، مذہب، سماج اور خود بیوی آپ کو مکمل اختیار و اجازت دیتے ہیں تو پھر وہاں شوق فضول اور جرات رندانہ کی ضرورت ہی نہیں۔لہٰذا یہ شعر محبوبہ کے لیے ہے اور محبوبہ بیوی نہیں کہ آپ کو کھلم کھلا اجازت ہو بلکہ اس کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔تو ایسی صورت حال میں الٰہیات کی تلاش ناکامی کے سوا کچھ نہیں۔

الٰہیات یہ نہیں ہے کہ ہر بات کو گھما کر اس کا ربط ذات الٰہی سے قائم کر دیا جائے بلکہ ذوق الٰہیات یہ ہے کہ جب شاعر یا ادیب اپنا کلام، تخلیق یا فن پارہ پیش کر رہا ہے تو اس وقت الٰہیات کس قدر اس کے شعور کا حصہ تھی۔اس طرح اگر اس وقت شاعر کے شعور و لاشعور میں احساس الٰہی موجود تھا تو اس کا پرتو پوری طرح کلام پر واضح ہوگا۔بعض صوفیا کرام کی ذات اپنے الٰہ سے اس قدر مضبوط ربط استوار کر لیتی ہے کہ ان کی ہر بات الٰہیات کی جانب ہی مراجعت کر رہی ہوتی ہے۔ان کی شخصیت بطور ناصح و مبلغ کے طور پر سامنے آتی ہے۔لیکن غالب کے ہاں ایسا نہیں ہے، لہٰذا کلام غالب میں اسی احساس و شعور کی تلاش کرنا کہ وہ الٰہیات کے سوا کچھ فرماتے ہی نہیں محض خام خیالی کے سوا کچھ نہیں۔ان کے ہاں الٰہیات کے ساتھ ساتھ بادہ خواری کا کیف و سرور اور حسن محبوب کی رعنائیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔اگر کلام غالب میں پنہاں ان حقیقتوں پر پردہ ڈالنے کی بجائے انھیں آشکار کیا جائے تو اس سے غالب کا قد چھوٹا نہیں ہوگا بلکہ بطور شاعر اس کی قدر میں اضافہ ہوگا۔تاہم کسی قسم کے نامعقول فلسفے کو اشعار غالب پر مسلط کرنا اس کی بے قدری کے مترادف ہے۔بحیثیت مجموعی یہ موضوعاتی شرح غالب شناسی کے میدان میں ایک اہم اضافہ ہے ۔تاہم چند اشعار کی تشریح کے ذریعے مصنف کے ذاتی نظریات کی ترویج کھٹکتی ہے۔

حوالہ جات

1۔ارشد محمود، تصور خدا، لاہور: گوراپبلشرز، ۱۹۹۷ء ص ۱۰۱

2۔ مشکور حسین یاد، سید، غالب کا ذوق الٰہیات، لاہور: نثار آرٹ پریس، ۱۹۹۹ء ص ۷

3۔ مبشر حسین، حافظ، اللہ اور انسان، لاہور: مبشر اکیڈمی، ۲۰۰۴ء ص ۴۹

4۔ مشکور حسین یاد، سید، غالب کا ذوق الٰہیات، ص ۳۵
5۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، شرح و متن غزلیات غالب، ملتان۔ لاہور: بیکن بکس، ۲۰۰۹ء ص ۳۹۲
6۔ مشکور حسین یاد، سید، غالب کا ذوق الٰہیات، ص ۷۷۔۷۸
7۔ مشکور حسین یاد، سید، غالب کا ذوق الٰہیات، ص ۶۸
8۔ ایضاً، ص ۹
9۔ ایضاً، ص ۷۵
10۔ حمید اللہ، ہاشمی، گفتۂ غالب، لاہور: مکتبہ دانیال، ۲۰۰۳ء ص ۴۷۴
11۔ مشکور حسین یاد، سید، غالب کا ذوق الٰہیات، ص ۸۱
12۔ ایضاً، ۸۳
13۔ محمد ضامن کنتوری، سید، شرح دیوان غالب، لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۱۳ء ص ۲۹۵
14۔ مشکور حسین یاد، سید، غالب کا ذوق الٰہیات، ص ۹۳
15۔ ایضاً، ص ۱۰۶
16۔ ایضاً، ص ۱۰۸
17۔ ایضاً، ص ۱۰۸